بدءُ الوحی اور تباشیرِ نبوّت

از: جناب مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رسوم جاہلیت سے خداداد تنفر اور بیزاری | انبیاء و مرسلین اگرچہ نبوت و رسالت سے پہلے نبی اور رسول نہیں ہوتے مگر ولی اور صدیق ضرور ہوتے ہیں، اور ان کی ولایت ایسی کامل اور اتم ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑے ولی اور صدیق کی ولایت کو ان کی ولایت سے وہ نسبت بھی نہیں ہوتی جو قطرہ کو دریا کے ساتھ یا ذرہ کو آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بارہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد وَلَقَدْ اٰتَیْنَا اِبْرَاهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا تمام واقعہ اور خصوصاً اُن کا یہ ارشاد وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ اور حق تعالیٰ شانہٗ کا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارہ میں یہ ارشاد وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا وَّحَنَانًا وغیر ذالک سب اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرات انبیاء نبوت و بعثت سے پہلے ہی اعلیٰ درجہ کے ولی اور صدیق ہوتے ہیں۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابتداء ہی سے شرک اور بت پرستی سے اور تمام رسم شرک سے بالکل پاک اور منزہ رہے۔ جیسا کہ ابن ہشام کی روایت میں ہے:۔

فشبّ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ یکلأہ ویحفظہ ویحوطہ من اقذار الجاھلیۃ لما یریدُ بہ من کرامتہ ورسالتہ حتی بلغ ان کان رجلاً افضل قومہ مروءۃ واحسنھم خلقاً واکرمھم حسبًا واحسنھم جوارًا واعظمھم حلما واصدقھم حدیثًا واعظمھم امانۃ

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں جوان ہوئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت و نگرانی فرماتے تھے اور جاہلیت کی تمام گندگیوں سے آپ کو پاک اور محفوظ رکھتے تھے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوچکا تھا کہ آپ کو نبوت و رسالت اور ہر قسم کی عزت و کرامت سے سرفراز فرمائے، یہاں تک کہ آپ مرد کامل ہوگئے اور مروت اور حسن خلق اور حسب و نسب اور حلم اور بُردباری

والبعدهم من الفحش والاخلاق التی تدنس الرجال تنزها و تکرماحتیٰ ما اسمهٗ فی قومه الا الامین لما جمع الله فیه من الامور الصالحة	اور راستبازی، صداقت و امانت میں سب سے بڑھ گئے اور فحش و اخلاق رذیلہ سے انتہا درجہ دُور ہو گئے یہاں تک کہ آپ اپنی قوم میں امین کے نام سے مشہور ہو گئے یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اعمال صالحہ آپ کی ذات میں جمع کر دیے تھے۔
(سیرۃ ابن ہشام۔ ج ۱ صـ۶۲)	

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ نے کبھی کسی بت کو پوجا ہے"؟ آپ نے فرمایا "نہیں"۔ پھر پوچھا گیا کہ "کبھی آپ نے شراب پی ہے"؟ آپنے فرمایا "نہیں"۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "میں ہمیشہ سے ان چیزوں کو کفر سمجھتا تھا، اگرچہ مجھ کو کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا"۔ (اخرجہٗ ابو نعیم و ابن عساکر؛ خصائص کبریٰ ج ۱ صـ۸۹)۔

مُسند احمد میں عروہؓ بن زبیر سے مروی ہے کہ "مجھ سے حضرت خدیجہؓ کے ایک ہمسائے نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہؓ سے یہ کہتے سُنا "خدا کی قسم میں کبھی لات کی پرستش نہ کرونگا۔ خدا کی قسم کبھی عُزّیٰ کو نہ پُوجوں گا۔ (خصائص ج ۱ صـ۹۰)

زید بن حارثہؓ فرماتے ہیں کہ، زمانہ جاہلیت میں جب مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے تو اساف[1] اور نائلہ کو چھوتے تھے۔ ایک بار میں نے آپ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا۔ جب میں اُن بتوں کے پاس سے گزرا تو اُن کو چھُوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو منع فرمایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھوں تو سہی چھُونے سے ہوتا کیا ہے اس لیے دوبارہ ان کو چھُوا۔ آپ نے پھر درشتی سے فرمایا کہ کیا تم کو منع نہیں کیا تھا۔ زید فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس کے بعد پھر کبھی کسی بت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور آپ پر اپنا کلام اُتارا۔ یہ روایت مستدرک حاکم اور دلائل ابی نعیم اور دلائل بیہقی میں مذکور ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (خصائص کبریٰ۔ ج ۱ صـ۸۹)

---

[1] اساف اور نائلہ، یہ دو بتوں کے نام ہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "مجھ کو جاہلیت کی کسی بات کا کبھی خیال ہی نہیں آیا صرف دو مرتبہ ایسا خیال آیا مگر اللہ نے بچالیا اور مجھ کو اس سے محفوظ رکھا۔ ایک شب میں نے اپنے ساتھی سے کہا جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا کہ تم بکریوں کی خبر رکھنا اور میں مکہ جاکر کچھ قصے کہانیاں سُن کر آتا ہوں۔ میں مکہ میں داخل ہوا تو ایک مکان سے گانے بجانے کی آواز سنائی دی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ فلاں کی شادی ہے۔ میں بیٹھا ہی تھا کہ فوراً نیند آگئی اور خدا نے میرے کانوں پر مہر لگا دی۔ پھر جو سویا تو خدا کی قسم آفتاب کی تمازت ہی نے مجھ کو بیدار کیا۔ اٹھ کر اپنے ساتھی کے پاس آیا۔ ساتھی نے دریافت کیا کہ بتلاؤ کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ بھی نہیں" اور اپنے اس سونے کا واقعہ بیان کیا۔

دوسری شب میں نے پھر یہی ارادہ کیا، لیکن خدا کی طرف سے پھر یہی صورت پیش آئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اس کے بعد پھر میرے دل میں اس قسم کا کوئی خیال ہی نہیں آیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنی پیغمبری سے سرفراز فرمایا" یہ حدیث مسند بزار اور مسند اسحٰق بن راہویہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند متصل اور حسن ہے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (خصائص کبریٰ ج ۱ صـ۸۸)

بخاری اور مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ تعمیر کعبہ کے وقت آپ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے کہ آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا کہ بیٹا تہبند کھول کر کندھے پر ڈال لو تاکہ پتھروں کی رگڑ سے محفوظ رہو۔ آپ نے چچا کے کہنے سے تہبند کھولا۔ کھولتے ہی آپ بیہوش ہو کر گر پڑے اس کے بعد آپ کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے۔

ابو الطفیلؓ سے مروی ہے کہ "اس وقت آپ کو غیب سے یہ آواز سنائی دی "یا محمد عورتک" اے محمدؐ! اپنے ستر کی خبر لو۔ یہ غیبی آواز سب سے پہلی آواز تھی جو آپ کو سنائی دی" ابو الطفیل کی یہ روایت دلائل ابی نعیم اور دلائل بیہقی اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (خصائص کبریٰ ج ۱ صـ۸۸)

ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ ابوطالب نے آپ سے پوچھا کہ کیا ماجرا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ ایک سفید پوش آدمی دکھلائی دیا جس نے کہا کہ "اے محمدؐ! اپنے ستر کو چھپاؤ" حاکم فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ (اخرجہ ابن سعد وابن عدی والحاکم وصححہ وابوداؤد من طریق عکرمۃ عن ابن عباس۔ الخ۔ خصائص کبریٰ ج ۱۔ صـ۸۸)

ایک مرتبہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لا کر رکھا۔ اس مجلس میں زید بن عمرو بن نفیل بھی تھے۔ آپ نے اس کے کھانے سے انکار کیا۔ بعد ازاں زید نے بھی انکار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور اور بتوں کے چڑھاوے نہیں کھاتا۔ میں صرف وہی چیز کھاتا ہوں جس پر صرف اللہ کا نام لیا جائے۔ زید بن عمرو بن نفیل قریش سے یہ کہا کرتے تھے کہ بکری کو اللہ ہی نے پیدا کیا اور اللہ ہی نے اس کے لیے آسمان سے پانی برسایا اور اللہ ہی نے زمین سے اُس کے لیے گھاس اُگائی۔ پھر تم اس کو غیر اللہ کے نام پر کیوں ذبح کرتے ہو۔ (بخاری ج ۱ صـ۵۳۹۔ باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل)۔ زید بن عمرو بن نفیل حضرت عمر بن الخطابؓ کے چچا زاد بھائی اور سعید بن زیدؓ (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) کے والد ماجد ہیں۔ شرک اور بت پرستی سے بیزار اور دین حق کے متلاشی تھے۔ بعثت سے پانچ سال قبل جس وقت خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی اس وقت انتقال کیا۔ تفصیل کے لیے فتح الباری۔ ج ۷، صـ۱۰۸ تا صـ۱۱۱ اور اصابہ۔ ج ۱ صـ۵۶۹ ترجمہ زید بن عمرو بن نفیل اور طبقات ابن سعد۔ ج ۱ صـ۱۰۱۔ باب علامات النبوۃ قبل البعثۃ، مطالعہ کریں۔

بدء الوحی[1] اور تباشیر نبوت | روایاتِ مذکورۂ بالا سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ حضرات انبیاء اللہ نبی ہونے سے پیشتر ہی کفر اور شرک اور ہر قسم کے فحشاء اور منکر سے پاک اور منزّہ ہوتے ہیں۔ ابتداء ہی سے اُن حضرات کے قلوبِ مُطہّرہ توحید و تفرید اور خشیت و معرفت سے لبریز ہوتے ہیں۔

---

[1] بدء الوحی سے مراد آغاز نبوت ہے یعنی وحی کی ابتداء کس طرح ہوئی اور تباشیر نبوت سے نبوت و رسالت کے مبشرات اور مبادی مراد ہیں۔ یعنی وہ امور کہ جو صریح نبوت و رسالت تو نہیں مگر نبوت و رسالت کا دیباچہ اور پیش خیمہ ہیں۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ جو حضرات عنقریب کفر اور شرک کو مٹانے کے لیے اور ہر فحش اور منکر سے بچانے کے لیے اور ہر خیر کی طرف دعوت دینے کے لیے من جانب اللہ مبعوث ہونے والے ہیں اور خدا کے مجتبیٰ اور مصطفیٰ برگزیدہ اور پسندیدہ بندے بننے والے ہیں۔ معاذ اللہ وہ خود ہی منصب نبوت و رسالت اور خلعت اجتباء و اصطفاء کی سرفرازی سے پیشتر کفر اور شرک کی نجاست میں ملوث اور فواحش و منکرات کی گندگی سے آلودہ ہوں۔ حاشا ثم حاشا۔ یہ قطعاً ناممکن اور محال ہے۔ حضرات انبیاء نبوت اور بعثت سے پیشتر اگرچہ نبی اور رسول نہیں ہوتے مگر اعلیٰ درجہ کے اولیاء اور عُرَفاء ضرور ہوتے ہیں۔ صفات خداوندی سے جاہل نہیں ہوتے۔ اور نہ ان کو کسی وقت صفات خداوندی میں کسی قسم کا دھوکہ اور مغالطہ ہوتا ہے اور نہ کسی قسم کا شک اور اشتباہ پیش آتا ہے۔

قال اللہ عزوجل —— وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ۔

اور تحقیق ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ان کی شان کے مطابق رشد عطا کیا تھا اور ہم ان کو اور اُن کی استعداد کو پہلے ہی سے خوب جانتے تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ رشد کے کیا معنی ہیں۔ اور رشید اور راشد کس کو کہتے ہیں۔ سورۂ حجرات کی یہ آیت شریفہ اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔

اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں۔ بالفرض والتقدیر اگر بہت سی باتوں میں تمہارا کہنا ماننے لگیں تو تم بلا شبہ مشقت میں پڑ جاؤ، لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو اس مشقت سے اس طرح بچایا کہ ایمان اور اطاعت کو تمہارے دلوں میں محبوب اور مرغوب بنا دیا اور کفر اور فسق اور معصیت کی نفرت تمہارے دلوں میں ڈال دی۔ ایسے ہی لوگ کہ جن کے

دلوں میں ایمان وطاعت کی محبت اور کفر ومعصیت کی نفرت راسخ ہو چکی ہو۔ اللہ کے فضل وانعام سے رشد وہدایت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی علیم وحکیم ہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قلب میں ایمان وطاعتِ خداوندی کی محبت اور کفر اور فسق اور معصیت کی نفرت وکراہت کے راسخ ہو جانے کا نام رُشد ہے۔

اور یہ رُشد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حق جل شانہٗ نے ابتدا ہی سے عطا فرما دیا تھا۔ جیسا کہ سورۂ انبیاء کی آیت سے واضح ہے۔ اور رُشد لغتِ عرب میں ضلالت اور گمراہی کے مقابلہ میں مستعمل ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:۔

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ رُشد وہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ابتدا ہی سے رُشد اور ہدایت پر تھے۔ معاذ اللہ گمراہ نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ستاروں اور چاند اور سورج کو دیکھ کر یہ فرمانا هٰذَا رَبِّي، اس سے حالِ کے بعض مصنفین کو یہ دھوکا ہوا کہ معاذ اللہ حضرت ابراہیم شک اور شبہ میں پڑے ہوئے تھے، جب غروب ہوتے دیکھا تب اشتباہ زائل ہوا۔ حاشا ثم حاشا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ابتدا ہی سے شمس وقمر کو خدا کی ادنیٰ مخلوق

۱؎ علامہ شبلی سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۸۷ تقطیع خورد میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے ستاروں کو دیکھا تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی، دھوکا ہوا، چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا آفتاب پر اس سے زیادہ۔ لیکن جب سب نظروں سے غائب ہو گئے تو بیساختہ پکار اٹھے "إِنِّي لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ"، انتہیٰ کلامہ۔ خدا کی ذات وصفات میں معاذ اللہ انبیاء اللہ کو کبھی دھوکا اور شبہ نہیں ہوتا۔ ناظرین ہمارے اس بیان سے خود سمجھ لیں گے کہ حاشا وکلا حضرت خلیل اللہ کو کوئی دھوکا اور شبہ نہیں ہوا بلکہ خود علامہ ہی کو دھوکا اور شبہ ہو گیا۔ حضرات انبیاء ومرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین چاند اور سورج کی چمک اور دمک کو دیکھ کر کبھی دھوکے اور شبہ میں نہیں پڑتے ٭

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

سمجھتے تھے۔ قوم چونکہ کواکب پرستی میں مبتلا تھی اس لیے ان کے عقیدۂ فاسد کے رد کرنے کے لیے فرمایا کہ اگر بطور فرضِ محال تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ستارہ تمہارے اعتقاد کے مطابق میرا رب ہے تو بہت اچھا ذرا تھوڑی دیر اس کے غروب اور افول کا انتظار کرو۔ تم کو خود ہی اس کا فانی اور حادث ہونا منکشف ہو جائے گا۔ پھر اسی طرح شمس و قمر کا حادث اور فانی ہونا سمجھایا۔ اس لیے کہ کواکب پرستوں کا عقیدہ یہ تھا کہ غروب کے بعد ستارہ میں وہ تاثیر باقی نہیں رہتی جو طلوع کے وقت تھی۔ پس اگر یہ خدا ہوتے تو ان کی صفتِ تاثیر میں تغیر اور ضعف نہ آتا۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات تغیر اور ضعف سے پاک اور منزہ ہیں۔ حضرت ابراہیم کا یہ تمام کلام اوّل سے آخر تک بطورِ محاجہ اور مناظرہ تھا۔ (اور محاجہ لغت میں مناظرہ کو کہتے ہیں) جیسا کہ بعد کی آیتیں وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ۔ اور آیۂ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ، صراحتہً اس پر دال ہیں کہ یہ تمام تر کواکب پرستوں کے ساتھ مناظرہ اور مجادلہ تھا، اور یہ وہ حجت اور برہان تھی جو اللہ نے آپ کو مناظرہ کے لیے تلقین کی تھی۔

الحاصل یہ مناظرہ تھا، حضرت خلیل کی ذاتی نظر اور فکر نہ تھی۔ کیا حضرت ابراہیم نے اس سے پیشتر کبھی چاند اور سورج کو نہ دیکھا تھا؟ نیز صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب صحاح میں یہ حدیث موجود ہے

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ	ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ بعد میں اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

اور یہ نہیں فرمایا کہ يُسَلِّمَانِهِ کہ اس کے ماں باپ اس کو مسلمان بنا لیتے ہیں، اس لیے کہ فطرۃً وہ مسلمان ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور صحیح مسلم میں عیاض بن حماد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

قَالَ اللَّهُ إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ	حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بندوں کو فطرۃً حنیف پیدا کیا ہے۔

پس جبکہ ہر مولود ابتداء ہی سے حنیف اور فطرۃ اسلام پر پیدا ہوتا ہے تو جو شخص شیخ ہو تمام انبیاء کا اور امام ہو تمام حُنفاء کا اور مُقتدا ہو تمام موحّدین کا، اور قدوہ اور اُسوہ ہو کفر اور شرک سے بری اور بیزار ہونے والوں کا۔ وہ بدرجۂ اولیٰ ابتداء ہی سے حنیف اور رشید ہو گا۔ اور اس کی فطرت سب سے زیادہ سلیم اور اُس کی طبیعت سب سے زیادہ مستقیم ہو گی۔ قرآن کریم میں جابجا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم حنیف کی ملت کے اتباع کا حکم مذکور ہے

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم حنیف کی ملت کا اتباع کیجیے، اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

وقال اللہ تعالیٰ :-

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ڬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔

آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے مجھ کو ایک سیدھا راستہ بتایا ہے وہ ایک صحیح دین ہے جو ابراہیم کا طریقہ ہے جن میں ذرہ برابر کجی نہ تھی اور نہ وہ کبھی مشرکین میں سے ہوئے۔

تفصیل اگر درکار ہے تو امام جلیل و کبیر حافظ عماد الدین ابن کثیر قدس روحہٗ و نوّر ضریحہٗ، آپ کی تفسیر سے مراجعت فرمائیں۔

زمانۂ جاہلیت میں جبکہ کفر اور شرک کی ظلمتیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں اس وقت زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور اس قسم کے موحدین اور حُنفاء کے دلوں میں جو توحید کی روشنی جلوہ گر تھی وہ توحیدِ ابراہیمی کا پرتو اور عکس نہ تھا تو پھر کس کا تھا۔ کیا معاذ اللہ زید اور ورقہ کی فطرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ سلیم تھی؟

قاضی عیاض قدس اللہ سرّہٗ شفا میں فرماتے ہیں :-

اعلم منحنا اللہ تعالیٰ وایاک — اے عزیز خوب جان لے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تجھ کو

توفیقه ان ما تعلق منه بطریق التوحید والعلم بالله وصفاته والایمان به وبما اوحی الیه فعلی غایة المعرفة ووضوح العلم والیقین والانتفاء عن الجهل بشیء من ذالك او الشك او الریب فیه من کل ما یضاد المعرفة بذالك والیقین هذا ما وقع علیه اجماع المسلمین علیه ولا یصح بالبراهین الواضحه ان یکون فی عقود الانبیاء سواه (شفاء قاضی عیاض ج ۲ ص ۸۳)

اپنی توفیق کی نعمت عطا فرمائے) کہ جس چیز کا اللہ کی توحید اور معرفت اور ایمان اور وحی سے اس کا تعلق ہے وہ حضرات انبیاء کو نہایت کامل اور واضح طریق سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء کو خدا کی ذات وصفات کا علم یقینی ہوتا ہے۔ معاذ اللہ کسی چیز سے بے خبر نہیں ہوتے اور نہ ان کو اس بارہ میں کوئی شک اور تردد ہوتا ہے۔ اور ہر اس چیز سے معصوم اور پاک اور منزہ ہوتے ہیں جو اس معرفت اور یقین کے منافی ہو۔ اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور براہین قاطعہ اور دلائل واضحہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء کے عقائد میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔

خلاصہ یہ کہ حضرات انبیاء اللہ کے نفوس قدسیہ ابتدا ہی سے کفر اور شرک اور ہر قسم کے فحشاء اور منکر سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں۔ شروع ہی سے وہ حنیف اور رشید ہوتے ہیں، فطری طور پر بری بات سے متنفر اور بیزار ہوتے ہیں۔ چنانچہ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

فلما نشأت بغضت الی الاوثان وبغض الی الشعر (کنز العمال[1] ج ۶ ص ۳۰۵)

جب میرا نشو و ارتقاء شروع ہوا اسی وقت سے بتوں کی شدید عداوت اور نفرت اور اشعار سے سخت تنفر میرے دل میں ڈال دیا گیا۔

نبی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سرتاپا حق اور صدق ہو اس کے قول میں اس کے فعل میں اس کی نیت میں، اس کے عزم اور ارادہ میں کہیں کذب اور تخییل کا شائبہ اور نام و نشان بھی نہ ہو۔ لہٰذا

[1] یہ روایت کنز العمال میں بحوالہ ابی یعلی وابی نعیم ذکر کی ہے۔

مناسب ہؤا کہ نبی شاعر نہ ہو، اس لیے کہ شاعر کا کذب اور شوائبِ کذب سے پاک اور منزہ ہونا ممکن ہے۔ اس لیے ارشاد ہؤا:-

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ — ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں عطا کیا اور یہ علم آپ کے لیے مناسب بھی نہیں۔

چونکہ منصبِ نبوت و رسالت آپ کے لیے مقدر ہو چکا تھا اس لیے حق جلّ شانہ نے ابتدا ہی سے آپ کے قلب مطہر کو ان تمام امور سے متنفر اور بیزار کر دیا کہ جو منصب نبوت و رسالت کے منافی اور مباین تھے۔ اسی طرح اللہ نے آپ کو بڑھایا اور جوان کیا۔ جب زمانہ نبوت کا قریب آ پہنچا تو رویائے صادقہ اور صالحہ، سچے اور درست خواب دکھلائی دینے لگے۔ نبی نَبَأٌ سے مشتق ہے لغتِ عرب میں نَبَأٌ اس خبر کو کہتے ہیں کہ جو مہتم بالشان اور بالکل صحیح اور واقعہ کے مطابق ہو مطلق خبر کو نَبَأ نہیں کہتے۔ نبی کو نبی اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کو بذریعہ وحی کے اَنْبَاءِ الْغَيْبِ یعنی غیبی خبروں پر کہ جو نہایت مہتم بالشان اور بالکل صحیح اور واقعہ کے مطابق ہوتی ہیں کبھی غلط نہیں ہو سکتیں نبی کو بذریعہ وحی ایسی خبروں کی اطلاع دی جاتی ہے۔ امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس اللہ سرّہ اپنے ایک مکتوب میں مختصراً نبوت کی حقیقت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

وچنانچہ طور عقل ورائے طور حس است کہ آنچہ بحس مدرک نشود عقل ادراک آں می نماید، ہمچنیں طور نبوت ورائے طور عقل است آنچہ بعقل مدرک نشود بتوسل نبوت بدرک می در آید	جس طرح ادراک عقلی کا طریقہ ادراک حسّی کے علاوہ ہے کہ جو شے حس ظاہر سے نہ معلوم ہو سکے عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے۔ اسی طرح طورِ نبوت طورِ عقل سے سوا ہے کہ جن چیزوں کے ادراک سے عقل قاصر اور عاجز ہے وہ چیزیں بذریعہ نبوت ادراک کی جا سکتی ہیں

لہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب ہمیشہ صادق (سچا) ہوتا ہے، کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔ ہاں دنیا کے لحاظ سے کبھی صالحہ (ٹھیک) ہوتا ہے اور کبھی غیر صالحہ۔ لیکن آخرت کے لحاظ سے ہمیشہ صالحہ ہی ہوتا ہے جیسے مصیبت مومن کے حق میں دنیا کے اعتبار سے مکروہ اور آخرت کے لحاظ سے محبوب اور پسندیدہ (فتح الباری کتاب التعبیر ج ۱۲ ص ۳۱۱)

حس سے فقط محسوسات کا اور عقل سے فقط معقولات کا ادراک ہو سکتا ہے لیکن وہ غیبی امور کہ جو حس اور عقل کے ادراک سے بالا اور برتر ہیں نہ وہاں حس کی رسائی ہے اور نہ عقل کی۔ وہ غیبی امور بذریعہ وحی اور نبوت کے منکشف ہوتے ہیں، امور غیبیہ کے ادراک کا ذریعہ اور وسیلہ صرف وحی نبوت ہے۔ وحی نبوت کی حقیقت تو حضرات انبیاء ہی سمجھ سکتے ہیں، مگر حق تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے ہم جیسے نادانوں کے سمجھانے کے لیے وحی نبوت کا ایک نمونہ عطا فرمایا ہے کہ جس کو دیکھ کر کچھ نبوت کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ وحی نبوت کا وہ نمونہ رویائے صالحہ (سچا خواب) ہے کہ جو حس اور عقل کے علاوہ غیبی امور کے انکشافات کا ایک ادنیٰ ذریعہ ہے جس وقت انسان سو جاتا ہے اور اس کے تمام ظاہری و باطنی قوائے ادراکیہ بالکل معطل اور بیکار ہو جاتے ہیں، اس وقت اس کو من جانب اللہ بہت سے امور منکشف ہوتے ہیں تفصیل کے لیے حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہٗ کا رسالہ المنقذ من الضلال مطالعہ فرمائیں۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح غیبی امور کے انکشاف کا اعلیٰ ترین ذریعہ وحی نبوت ہے اسی طرح غیبی امور کے انکشاف کا ادنیٰ ترین ذریعہ رویائے صادقہ ہے۔ اور یہ رویائے صالحہ وحی نبوت کا ایک نمونہ ہے۔ اسی سے انبیاء کرام کی نبوت کا آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ دلائل ابی نعیم میں باسناد حسن عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد علقمہ بن قیس سے مرسلاً مروی ہے کہ اول انبیاء علیہم السلام کو خواب دکھلائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب سچے خوابوں سے ان کے قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں تب بحالت بیداری ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ (فتح الباری۔ ج ۱ ص باب کیف کان بدء الوحی)۔ جیسے یوسف علیہ السلام کو نبوت سے پہلے ایک عجیب و غریب خواب دکھلایا گیا۔ اور اسی وجہ سے کہ رویائے صالحہ وحی نبوت کا ایک نمونہ ہے، حدیث میں آیا ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا ایک جزء ہے۔ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب تو ہمیشہ سچا ہی ہوتا ہے، حضرات انبیاء کے خواب میں کذب کا امکان بھی نہیں۔ البتہ صالحین کے خواب میں صدق غالب رہتا ہے، شاذ و نادر ان کا خواب از قبیل اضغاث احلام ہوتا ہے فساق

و فجار کے خواب اکثر اضغاث احلام ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

اصدقھم رؤیا اصدقھم حدیثاً — جو شخص اپنی بات میں سب سے زیادہ سچا ہے وہی خواب میں بھی سب سے زیادہ سچا ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ خواب کے صادق ہونے میں بیداری کے صدق کو خاص دخل ہے۔ اور جو شخص جتنا زائد صادق الکلام ہے اسی قدر نبوت سے قریب ہے اور جس درجہ صدق سے دور ہے اتنا ہی نبوت سے دور ہے۔ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ رویائے صالحہ نبوت کا چھبیسواں جزء ہے، اور کبھی یہ فرمایا کہ چالیسواں جزء ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ پینتالیسواں جزء ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ پچاسواں جزء ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ سترواں جزء ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ چھہترواں جزء ہے۔ امام غزالی قدس اللہ سرّہ احیاء العلوم کی کتاب الفقر والزہد میں فرماتے ہیں حاشا ان مختلف کلمات کو یہ نہ سمجھو کہ باہم متعارض اور مضطرب ہیں بلکہ ان مختلف کلمات سے اختلاف مراتب کی طرف اشارہ سمجھو کہ خواب دیکھنے والے مختلف المراتب ہیں۔

صدیقین کے خواب کو نبوت سے وہی نسبت ہوگی جو ایک کو چھبیس سے ہے۔ اور کسی کے خواب کو نبوت سے وہ نسبت ہوگی جو ایک کو چالیس یا پچاس یا ستر یا چھہتر سے ہے۔ (فتح الباری۔ ج ۱۲ ص ۳۱۹ تا ص ۳۲۲۔ کتاب التعبیر باب رؤیا الصالحین)

اور ابو ہریرہؓ کی حدیث اصدقھم رؤیا اصدقھم حدیثا (جس کو ہم ابھی نقل کر چکے ہیں) وہ بھی اسی اختلافِ مراتب کی طرف مشیر معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ افعل التفضیل کا استعمال اسی محل پر مناسب ہے کہ جہاں مراتب اور درجات مختلف اور متفاوت ہوں۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے صراحۃً منقول ہے کہ رؤیائے صالحہ کے جزء نبوت ہونے میں جس قدر بھی روایتیں مروی ہیں۔ وہ سب اختلافِ مراتب پر محمول ہیں۔ (مدارج السالکین ج ۱ ص ۲۸)

رہا یہ سوال کہ رویائے صالحہ کے جزء نبوت ہونے کے کیا معنی ہیں، حضرات اہل علم اس کے حل کے لیے فتح الباری باب المبشرات ج ۱۲ ص ۳۳۱ تا ص ۳۳۲ سے مراجعت کریں اور بعد ازاں اپنے طلبہ اور متوسلین کو سمجھائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اس فعل خیر کی جزاءِ خیر عطا فرمائے۔ دلالت علی الخیر کے اجر کا یہ ناچیز بھی اپنے پروردگار سے امیدوار ہے۔ تطویل کے اندیشہ نے اس وقت پہلو تہی پر مجبور کیا۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرًا۔

اب اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ بخاری اور مسلم میں امّ المومنین عائشہ صدیقہ بنت صدیق سے مروی ہے:۔

اوّل ما بدأ به رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم فکان لا یری رؤیا الّا جاءت مثل فلق الصبح۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء رؤیائے صالحہ سے ہوئی جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو کر رہتا۔

ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں کہ رویائے صالحہ کو صبح کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی کہ ہنوز آفتاب نبوت نے طلوع نہ کیا تھا جس طرح صبح کی روشنی طلوعِ آفتاب کا دیباچہ ہے اسی طرح رویائے صالحہ آفتابِ نبوت ورسالت کے طلوع کا دیباچہ اور پیش خیمہ تھا۔

رویائے صادقہ کی صبحِ صادق خبر دے رہی تھی کہ عنقریب آفتابِ نبوت طلوع کرنے والا ہے اور جس طرح صبح کی روشنی آناً فاناً بڑھتی رہتی ہے اسی طرح رویائے صالحہ اور صادقہ کی روشنی بھی آناً فاناً بڑھتی رہی، یہاں تک کہ آفتابِ نبوت ورسالت فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا جو قلب کے بصیر اور بینا تھے مثلاً ابوبکر، وہ سامنے آئے اور آفتابِ نبوت کے انوار و تجلیات سے مستفید ہوئے اور جو کور باطن اور خفاش دل تھے، جیسے ابوجہل، آفتاب کے طلوع ہوتے ہی خفاش کی طرح اُن کی آنکھیں بند ہو گئیں اور نبوت و رسالت کے آفتاب عالم تاب کی تمازت کی تاب نہ لاسکے

؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ے چہرۂ آفتاب خود فاش است — بے نصیبی نصیبِ خفاش است

باقی لوگ ابوبکرؓ و ابوجہل کے بین بین تھے۔ اپنی اپنی بصیرت اور نورِ قلبی کے موافق ہر شخص آفتابِ نبوت سے مستفید ہوا۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۱۱، کتاب التعبیر)

ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ	پھر آپ کو خلوت اور تنہائی محبوب بنا دی گئی۔ آپ غارِ حراء میں جا کر خلوت فرماتے۔

ام المومنین نے حُبِّبَ کو بصیغۂ مجہول بظاہر اس لیے ذکر فرمایا کہ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کیا سبب اور کیا داعی تھا کہ جس نے خلوت اور عزلت کو آپ کے لیے محبوب بنا دیا۔ وہ کوئی امر باطنی اور غیبی تھا کہ جس نے خلوت و تنہائی پر آپ کو مجبور کر دیا۔ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ وہ کیا تھا۔ اور ہم کے حق میں وہ سراسر مجہول ہے۔ اس لیے ام المومنین نے اس کو بصیغۂ مجہول ذکر فرمایا۔

حق جل شانہٗ جب کسی کے ساتھ خاص رحمت کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے قلب میں خلوت و عزلت کا داعیہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہ اصحاب کہف کے قصہ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا۔	اور جب ان کافروں سے اور ان کے تمام معبودوں سے سوائے اللہ کے الگ ہو جاؤ تو ایک غار میں جا کر ٹھکانہ بناؤ تاکہ اطمینان سے اللہ کی عبادت کر سکو۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں برسائے گا اور ہر کام میں تمہارے لیے سہولت پیدا فرما دے گا۔

یہ ضروری نہیں کہ خلوت و عزلت سے نبوت مل جائے اس لیے کہ نبوت اور رسالت کوئی اکتسابی شے نہیں وہ جس کو چاہے نبی اور رسول بنائے واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

تَبَارَكَ اللّٰهُ مَا وَحْيٌ بِمُكْتَسَبٍ — وَلَا نَبِيٌّ عَلٰى غَيْبٍ بِمُتَّهَمٍ

ہاں جس کو وہ خود اپنی رحمت سے نبی اور رسول بنانا چاہتے ہیں۔ خلوت و عزلت کو خاص

طور پر اس کے لیے محبوب بنا دیتے ہیں۔ اور یہ خلوت و عزلت ان کے حق میں نبوت و رسالت کا دیباچہ ہوتی ہے جیسا کہ رویائے صالحہ فقط اُن حضرات کے لیے نبوت و رسالت کا پیش خیمہ ہوتا ہے جن کے لیے منصب نبوت پر فائز ہونا علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ جس کو رویائے صالحہ اور سچے خواب نظر آنے لگیں وہ نبی ہو جائے گا۔

وقال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا۔

پس جب ابراہیم علیہ السلام کافروں سے اور سوائے خدا کے ان کے تمام معبودوں سے الگ ہو گئے تو ہم نے ابراہیم کو اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا اور ہر ایک کو نبی بنایا۔

اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب کا منصب نبوت پر فائز ہونا عزلتِ ابراہیمی کی برکات میں سے تھا۔

اسی طرح آپ بھی غار حراء میں جا کر اعتکاف فرماتے اور کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے اور وہاں رہ کر اللہ کی عبادت اور بندگی کرتے۔ کسی حدیث میں آپ کی عبادت کی کیفیت مذکور نہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذکرِ الٰہی اور مراقبہ اور تفکر اور تدبّر یہ آپ کی عبادت تھی۔ علاوہ ازیں فساق و فجار مشرکین اور کفار سے علیحدہ رہنا یہ خود مستقل عبادت ہے (آخر ہجرت جس کی مدح و ثنا سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے وہ کیا ہے۔ وہ خدا اور رسول کے دشمنوں سے علیحدگی ہی کا تو نام ہے) اور جب توشہ ختم ہو جاتا تو پھر گھر واپس آکر توشہ لے جاتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ (زرقانی - ج ۱ صـ۲۱۱)

لہ بین القوسین جو عبارت ہے وہ مؤلف کی طرف سے ہے اس لیے اس کو علامہ زرقانی کے کلام سے ممتاز کر دیا گیا۔ جس دلیل سے اللہ عزوجل کے عباد مخلصین کا دیکھنا موجب خیر و برکت ہے اسی دلیل سے اعداء اللہ کا دیکھنا سلیم طبیعتوں کے لیے موجب کدورت اور باعثِ ظلمت ہے کیا ہارون اور موسیٰ بن عمران اور فرعون و ہامان۔ اور محمد رسول اللہ اور ابوجہل عدو اللہ۔ ابوبکر صدیق اور مسیلمہ کذاب کا دیکھنا برابر ہے۔ حاشا ثم حاشا

ملا بنکس ذالک الامن سفہ نفسہ والعاقل مکتفیہ الاشارہ

والمختار عندنا انه کان یعمل بما ظھر له من الکشف الصادق من شریعة ابراھیم وغیرہ کما فی الدر المختار۔ ج ۱ صفحہ ۲۶۳ " اور فقہاءِ حنفیہ کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ آپ کو کشفِ صادق اور الہام صحیح سے جو ظاہر اور منکشف ہوتا کہ یہ حضرت ابراہیم یا اور کسی نبی کی شریعت ہے آپ اسکے مطابق عمل فرماتے"۔ جیسا کہ بعض روایات میں بجائے فَيَتَحَنَّثُ کے فَيَتَحَنَّفُ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ابراہیم حنیف کے طریقہ پر چلتے تھے وہ اس کی تائید کرتا ہے کہ آپ ملتِ حنیفیہ کے مطابق اپنے کشف اور الہام سے عمل کرتے تھے۔

آفتابِ رسالت کا فاران کی چوٹیوں سے طلوع | یہاں تک کہ جب عمر شریف چالیس[1] سال کو پہنچی تو حسب معمول آپ ایک روز غار حراء میں تشریف فرما تھے کہ دفعۃً ایک فرشتہ غار کے اندر آیا اور آپ سے یہ کہا " اِقْرَأْ " پڑھیے"۔ آپ نے فرمایا: مَا اَنَا بِقَارِئٍ "میں پڑھ نہیں سکتا"۔ اس پر فرشتہ نے پکڑ کر مجھ کو اس شدت سے دبایا کہ میری مشقت[2] کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور اُس کے بعد چھوڑ دیا، اور پھر کہا اِقْرَأْ۔ میں نے پھر وہی جواب دیا: مَا اَنَا بِقَارِئٍ "میں پڑھ نہیں سکتا"۔ فرشتہ نے مجھ کو پھر اسی شدّت کے ساتھ دبایا اور پھر چھوڑ دیا اور کہا اِقْرَأْ، میں نے پھر وہی جواب دیا مَا اَنَا بِقَارِئٍ

مَا اَنَا بِقَارِئٍ کے بظاہر معنی یہ ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں، یعنی اُمّی ہوں۔ اس معنی میں اشکال یہ ہے کہ قرأت یعنی زبان سے پڑھنا اُمیّت کے منافی نہیں۔ امّی شخص بھی کسی کی تعلیم و تلقین سے قرأت اور تلفظ ادا کر سکتا ہے۔ خصوصًا جبکہ فصاحت اور بلاغت اس کی خادم ہو۔ اُمیّت کتابت کے منافی ہے۔ امّی شخص لکھی ہوئی تحریر کو نہیں پڑھ سکتا۔ لیکن زبانی تعلیم و تلقین سے تلقین کردہ الفاظ

---

[1] چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہونا ابن عباس اور انس بن مالکؓ سے صحیح بخاری میں مذکور ہے اور ایسا ہی جبیر بن مطعمؓ اور قباث بن اشیم صحابی۔ اور عطاء اور سعید بن المسیب سے مروی ہے (عیون الاثر۔ وزرقانی ج ۱ صفحہ ۲۰۷)

[2] اس حدیث کو امام بخاری نے بدء الوحی اور کتاب التعبیر اور کتاب التفسیر میں ذکر کیا ہے حتی بلغ منی الجھد کا لفظ نسخۂ ابی ذر میں دوسری بار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ لیکن کتاب التفسیر اور کتاب التعبیر میں تیسری بار کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے۔

کی قرأت کر سکتا ہے۔ پس اگر جبریل امین کوئی لکھی ہوئی تحریر لے کر آئے تھے کہ جس میں یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں اور اس کی نسبت کہتے تھے کہ اِقرأ یعنی پڑھو تو پھر اس کے جواب میں ما انا بقاریٔ کہنا ظاہر اور واجب ہے۔ جیسا کہ بعض روایات[1] میں ہے کہ جبریل ایک حریری صحیفہ لے کر آئے جو جواہرات سے مرصع تھا اور وہ صحیفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ اِقرأ یعنی اس حریری صحیفہ کو پڑھیے۔ آپ نے فرمایا ما انا بقاریٔ یعنی میں امی ہوں لکھی ہوئی تحریر کو نہیں پڑھ سکتا۔

بعض[2] مفسرین کا قول ہے کہ الٓمٓ ذالك الكتاب لاريب فيه میں اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے جس کو جبریل امین لے کر آئے تھے۔

اور اگر جبریل امین کوئی تحریر نہیں لائے تھے اور اقرأ سے کسی لکھی ہوئی تحریر کا پڑھنا مطلوب نہ تھا بلکہ محض زبان سے قرأت اور تلفظ مطلوب تھا تو اس صورت میں ما انا بقاریٔ کے یہ معنی نہیں کہ میں اُمّی ہوں پڑھا ہوا نہیں، بلکہ معنی یہ ہیں کہ وحی کی ہیبت اور دہشت کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتا۔ رویت مَلک اور مشاہدۂ انوارِ وحی کی وجہ سے قلب پر اس درجہ ہیبت اور دہشت طاری ہے کہ زبان اٹھتی نہیں کس طرح پڑھوں؟ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ کَیْفَ اَقْرَأُ۔ اس بنا پر ہم نے ما انا بقاریٔ کا ترجمہ یہ کیا۔ کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ جو اس معنی کے بھی مناسب ہے اور پہلے معنی کے ساتھ بھی درست ہو سکتا ہے۔ هٰذا توضیح ما افادہ الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی فی اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۳۴ و مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۳)

فرشتہ نے پھر تیسری بار مجھ کو پکڑا اور اسی شدت کے ساتھ دبایا اور چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ پڑھو

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ آپ اپنے پروردگار کے نام کی مدد سے پڑھیے

---

[1] زرقانی شرح مواہب ج ۱ ص ۲۱۸ میں ہے قد روی ابن اسحٰق فی مرسل عبید بن عمیر جاء فی جبرئیل بنمط من دیباج فیه كتاب [2] بعض مفسرین کا قول اشعۃ اللمعات میں نہیں بلکہ روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام میں مذکور ہے۔

الانسان من علق اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم[1] جو خالق ہے تمام کائنات کا خصوصاً انسان کا کہ جس کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ پڑھیے آپ کا رب بہت ہی کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھلایا اور انسان کو وہ چیزیں تبلائیں کہ جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔

بعدازاں آپ گھر تشریف لائے اور بدن مبارک پر لرزہ اور کپکپی تھی۔

آتے ہی حضرت خدیجہ سے فرمایا زملونی زملونی۔ مجھ کو کچھ اڑھاؤ، مجھ کو کچھ اڑھاؤ۔ جب کچھ دیر کے بعد وہ گھبراہٹ اور پریشانی دور ہوئی تو تمام واقعہ حضرت خدیجہ سے بیان کیا۔ اور یہ کہا کہ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ میری جان نہ نکل جائے۔ چونکہ وحی اور فرشتہ کے انوار و تجلیات کا حضور کی بشریت پر دفعتہ نزول اور ورود ہوا، اس لیے وحی کی عظمت اور جلال سے آپ کو یہ خیال ہوا کہ اگر وحی کی یہی شدت رہی تو عجب نہیں کہ میری بشریت وحی کے اس ثقل اور بوجھ کو نہ برداشت کر سکے۔ اور بارِ نبوت سے مغلوب ہو کر فنا ہو جائے، اور اس آیت میں اسی ثقل کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا اے محمد ہم تم پر ایک ثقیل اور گراں کلام نازل کریں گے۔

سوار ہونے کی حالت میں اگر آپ پر وحی نازل ہو جاتی تو ناقہ وحی کے بوجھ سے مجبوراً بیٹھ جاتی تھی۔ زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ کی ران میری ران پر تھی کہ وحی نازل ہو گئی۔ اُس وقت آپکی ران اس درجہ ثقیل معلوم ہوئی کہ اپنی ران کے چور چور ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا۔

ایک معمولی واقعہ بھی اگر خلافِ طبع پیش آجاتا ہے تو انسان پریشان ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ ایسا عظیم الشان واقعہ پیش آئے کہ جو وہم و گمان سے بھی بالا ہو، اس سے گھبرا جانا کوئی مستبعد نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب حق جل شانہ کی طرف سے معجزہ عصا عطا ہوا۔ اور حکم ہوا کہ اے موسیٰ اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ جب دیکھا کہ وہ تو سانپ بن کر چلنے لگا تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ڈر کر اس قدر تیز بھاگے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس وقت آواز آئی:- اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ اے موسیٰ

[1] مالم یعلم تک پڑھنا کتاب التفسیر اور کتاب التعبیر میں مذکور ہے۔ بدء الوحی کی روایت میں فقط وربك الاکرم تک پڑھنا مذکور ہے۔

واپس آؤ، ڈرو مت تم بالکل مامون ہو گئے موسیٰ علیہ السلام کا ڈرنا اور بھاگنا طبیعت بشریہ کا اقتضا تھا خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا شک اور تردد کی وجہ سے نہ تھا اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرعوبیت اور پریشانی بھی فقط اس بنا پر تھی کہ دفعۃً نبوت اور وحی کا بار گراں آپڑا۔ کسی تردد اور شک کی بنا پر یہ پریشانی نہ تھی۔

بشریت پر دفعۃً ملکیتہ کے غلبہ سے آپ کا مرعوب اور خوف زدہ ہو جانا کوئی مستبعد نہیں۔ رفتہ رفتہ جب ملائکہ کی آمد و رفت سے آپ کی بشریت ملکیتہ سے مانوس ہو گئی تو یہ خوف جاتا رہا اچانک بار نبوت پڑ جانے سے آپ گھبرا گئے اور آپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اس بار سے میری روح نہ پرواز کر جائے۔ معاذ اللہ نبوت و رسالت میں کوئی شک اور تردد نہ تھا۔ اس لیے کہ نزول جبریل اور مشاہدۂ انوار و تجلیات کے بعد نبوت میں شک اور تردد محال ہے۔

ایک مرسل روایت میں ہے کہ جبریل امین آئے اور میرا سینہ چاک کیا اور ایک نہایت عمدہ مسند پر بٹھلایا جو یواقیت اور جواہرات سے مرصع تھی۔

ثم استعلن له جبرئيل فبشره	اور منجانب اللہ آپ کو منصب نبوت و رسالت
برسالة الله حتى اطمأن النبي صلى الله	کی بشارت دی۔ یہاں تک کہ آپ مطمئن ہو گئے۔
عليه وسلم ثم قال له اقرأ فقال كيف	پھر کہا کہ پڑھو۔ آپ نے فرمایا کس طرح پڑھوں۔
اقرأ فقال اقرأ باسم ربك الذي خلق	جبریل نے کہا اقرأ باسم ربک الذی خلق — مالم
الى قوله مالم يعلم	یعلم تک۔
فقبل الرسول رسالة ربه وانصرف	آپ نے اللہ کے پیغام کو قبول کیا اور واپس ہوئے
فجعل لا يمر على شجر ولا حجر الا سلم	راستہ میں جس شجر اور حجر پر آپ کا گزر ہوتا وہ آپ
عليه فرجع مسرورا الى اهله موقنا	کو السلام علیک یا رسول اللہ کہتا پس اس طرح
قد رأى امرا عظيما (الحديث)	آپ شاداں و فرحاں اپنے گھر واپس آئے اور

یہ یقین کیے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شئی عظیم عطا فرمائی۔ یعنی نبوت و رسالت۔

یہ روایت دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں بطریق موسیٰ بن عقبہ مروی ہے (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۹۳)

اور یہ روایت عیون الاثر میں حافظ ابوبشر دولابی کی سند سے مذکور ہے ۔ غرض یہ کہ غارِ حرا سے اُتر کر گھر تک اس شان سے پہنچے کہ ہر شجر اور حجر اور ہر در و دیوار السّلام علیک یا رسول اللہ کہہ رہا تھا ۔ کیا اس سننے کے بعد بھی نبوّت میں کوئی شک اور تردّد ہو سکتا ہے ۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں ۔ عبید بن عمیر کی مرسل روایت میں ہے کہ جبرئیل آئے اور مجھ کو ایک مسند پر بٹھلایا کہ جو جواہرات سے مُرصّع تھی ۔ اور زہری کی مرسل روایت میں ہے کہ مجھ کو ایسی عمدہ مسند پر بٹھلایا جس کو دیکھ کر تعجّب ہوتا تھا ۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۱۳)

غرض یہ کہ آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے ۔ تو حضرت خدیجہؓ نے یہ فرمایا " آپ کو مبارک ہو ۔ آپ ہرگز نہ ڈریے ۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے ، خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی رُسوا نہ کرے گا ۔ آپ تو صلۂ رحمی کرتے ہیں ۔ آپ کی صلۂ رحمی بالکل محقق ہے[1] ۔ ہمیشہ آپ سچ بولتے ہیں[2] ۔ لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں ، یعنی دوسروں کے قرضے اپنے سر رکھتے ہیں ۔ اور ناداروں کی خبر گیری فرماتے ہیں ، امین ہیں لوگوں کی امانتیں ادا کرتے ہیں ۔ مہمانوں کی ضیافت کا حق ادا کرتے ہیں ۔ حق بجانب امور میں آپ ہمیشہ معین اور مددگار رہتے ہیں "

یہ روایت بخاری اور مسلم کی ہے ۔ ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے یہ بھی فرمایا : مَا اَتَیْتَ فَاحِشَةً قَطُّ " آپ تو کبھی کسی فاحشہ کے پاس بھی نہیں پھٹکے " (تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۰۶)

خلاصہ یہ کہ جو شخص ایسے محاسن اور کمالات اور ایسے محامد اور پاکیزہ صفات اور ایسے اخلاق و شمائل اور ایسے معالی اور فضائل کا مخزن اور معدن ہو اُس کی رُسوائی ناممکن ہے ۔ وہ نہ دنیا میں رُسوا ہو سکتا ہے نہ آخرت میں ۔ حق تعالیٰ شانہٗ جس کو اپنی رحمت سے یہ محاسن اور کمالات عطا فرماتے ہیں اُس کو ہر بلا اور ہر آفت سے بھی ضرور محفوظ رکھتے ہیں ۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلّی دی اور یہ کہا کہ قسم ہے اُس

---

[1] یہ ترجمہ لفظِ اِنَّ کا ہے جو تحقیق کے لیے وضع ہوا ہے اس لیے کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ"

[2] آپ کی یہ صفت کتاب التعبیر کی روایت میں ہے ، بدءالوحی کی روایت میں بیان سے رہ گئی ۔

ذات پاک کی جس کے قبضہ میں خدیجہؓ کی جان ہے میں قوی امید رکھتی ہوں کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے۔" (سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص۱۸۱)

وَاَخْبَرَهَا بما جاء به فقالت اَبْشِرْ فوالله لا يفعل الله بك الا خيرا فاقبل الذى جاءك من الله فانه حق وابشر فانك رسول الله حقا۔

(رواه البيهقی فی الدلائل من طريق ابی ميسرة مرسلاً[1])

آپ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہ سے بیان کیا حضرت خدیجہ نے کہا مبارک ہو اور آپ کو بشارت ہو۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہ کرے گا۔ جو منصب اللہ کی جانب سے آپ کے پاس آیا ہے اس کو قبول کیجیے وہ بلاشبہ حق ہے اور پھر کہتی ہوں کہ آپ کو بشارت ہو۔ آپ یقیناً اللہ کے رسول برحق ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص۳۱۶۔ کتاب التعبیر)

حافظ عسقلانی اس روایت کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ یہ روایت صراحتہً اس پر دلالت کرتی ہے کہ علی الاطلاق سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں۔

بعد ازاں حضرت خدیجہ ؓ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو توریت اور انجیل کے بڑے زبردست عالم تھے اور سریانی زبان سے عربی زبان میں انجیل کا ترجمہ کرتے تھے اور زمانہ جاہلیت میں بُت پرستی سے بیزار ہوکر نصرانی بن گئے تھے اور اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ اُن سے یہ تمام واقعہ بیان کیا۔ ورقہ نے سُنکر یہ کہا۔

لئن كنتِ صدقتنى انه ليأتيه ناموس[2] عيسىٰ

اگر تو سچ کہتی ہے تو تحقیق ان کے پاس وہی فرشتہ آیا ہے جو عیسیٰ علیہ السّلام کے پاس آتا تھا۔

یہ روایت دلائل ابی نعیم میں باسنادِ حسن مذکور ہے (فتح الباری ج ۱ ص۲۵)

---

[1] ابو میسرہ کا نام عمرو بن شرحبیل ہے۔ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ بخاری اور مسلم، ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے ان سے روایت لی ہے۔

[2] خیر کی خبر لانے والے کو ناموس کہتے ہیں۔ اور شر کی خبر لانے والے کو جاسوس کہتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص۲۴)

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے ہمراہ لے کر ورقہ کے پاس گئیں۔ اور یہ کہا "اے میرے چچازاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کا حال (یعنی خود آپ[1] کی زبان سے) سنیے۔ ورقہ نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا "اے بھتیجے تبلاؤ کیا دیکھا" آپ نے تمام واقعہ بیان کیا۔

فلما سمع کلامہ[2] ایقن بالحق و اعترف بہ
(فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۱۳ کتاب التعبیر)

ورقہ نے جب آپ کا کلام سنا تو سنتے ہی حق کا یقین آگیا (کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں۔ وہ بالکل حق ہے) اور ورقہ نے اس حق کا اعتراف کیا (اور اس کو تسلیم کیا)

ورقہ نے آپ کا تمام حال سنکر کہا کہ یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش میں تمہارے زمانۂ پیغمبری میں قوی اور توانا ہوتا جبکہ تمہاری قوم تم کو وطن سے نکالے گی۔ یا کم از کم زندہ ہی ہوتا۔ آپ نے بہت تعجب[3] سے فرمایا "کیا وہ مجھ کو نکالیں گے؟"۔ ورقہ نے کہا "ایک تم ہی پر موقوف نہیں جو شخص بھی پیغمبر ہو کر اللہ کا کلام اور اس کا پیام لے کر آیا لوگ اس کے دشمن ہوئے۔ اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو نہایت زور سے آپ کی مدد کرونگا" کچھ زیادہ دن گذرنے نہ پائے کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ اور

[1] بین القوسین میں یعنی الخ کا اضافہ اس لیے کیا گیا تاکہ بخاری اور دلائل ابی نعیم کی روایت میں تعارض کا توہم نہ ہو۔

[2] سَمِعَ اور اَیْقَنَ اور اِعْتَرَفَ کی تمام ضمائر ورقہ کی طرف راجع ہیں۔ علامہ شبلی نے تمام ضمائر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع سمجھ کر اس طرح ترجمہ کیا "جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین آگیا اور آپ نے اس کا اعتراف کیا" (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۸۹ تقطیع خورد)۔ یہ غلط ہے۔ حضور کو تو اپنی نبوت و رسالت کا یقین نزول وحی اور مشاہدۂ جبریل ہی سے ہو چکا تھا۔ البتہ ورقہ کو آپ کا کلام سننے کے بعد آپ کی نبوت کا یقین آیا اور حق کا اعتراف کیا۔

[3] تعجب کی وجہ ظاہر تھی کہ اوّل تو کوئی قصور نہیں۔ پھر یہ کہ ایسے اخلاق کے ہوتے ہوئے نکالنا سراسر تعجب ہے انہی اخلاق کی بنا پر ابن دغنہ نے ابوبکرؓ سے کہا تھا کہ تجھ جیسا آدمی نہیں نکالا جا سکتا (مفصل واقعہ انشاء اللہ آئندہ آئیگا) ص نیز جس کو دل و جان سے صادق و امین مانتے ہوں، اس کو نکالنا بڑے تعجب کی بات ہے۔

ابومیسرہ کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ ورقہ نے یہ کہا:

ابشر فانا اشهد انك الذی بشر به ابن مریم وانك علی مثل ناموس موسی وانك نبی مرسل وانك تومر بالجهاد (فتح الباری ج ۸ ص۵۵۳ کتاب التفسیر سورۂ اقرأ - اصابہ ص۶۳۳ ترجمہ ورقہ بن نوفل وعیون الاثر ج ۱ ص۸۴)

آپ کو بشارت ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور آپ مثل موسیٰ علیہ السلام کے نبی مرسل ہیں اور آپ کو عنقریب اللہ کی طرف سے جہاد کا حکم کیا جائیگا۔

چونکہ آپ بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی الجہاد ہیں۔ اور شریعت موسویہ کی طرح آپ کی شریعت بھی حدود وتعزیرات جہاد وقصاص، حلال وحرام کے احکام پر علیٰ وجہ الاتم مشتمل ہے اس لیے اس وقت ورقہ نے باوجود نصرانی ہونے کے یہ کہا کہ یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا، اور جس وقت اول بار حضرت خدیجہؓ نے آپ کے غیاب میں ورقہ سے آپ کا حال بیان کیا تو اس وقت ورقہ نے نصرانی ہونے کے باعث آپ کے ناموس (فرشتہ) کو ناموس عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی۔ (فتح الباری ج ۱ ص۲۴)

ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ چلتے وقت ورقہ نے آپ کے سر کو بوسہ دیا (عیون الاثر ج ۱ ص۸۴) آپ گھر واپس آگئے اور وحی کا آنا چند روز کے لیے رُک گیا[1] تا آنکہ دل سے گذشتہ دہشت اور خوف دُور ہو جائے، اور آئندہ وحی کا شوق اور انتظار قلب میں پیدا ہو جائے۔

؎ دیر ست کہ دلدار پیامے نفرستاد — ننوشت سلامے وکلامے نفرستاد

وحی کے رُک جانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر حزن وملال ہوا کہ بار بار پہاڑ پر جاتے کہ اپنے کو پہاڑ کی چوٹی پر سے گرا دیں ؎

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود — گر ز باغِ دل خلالے کم بود

[1] وحی کے رُک جانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا نازل ہونا چند روز کے لیے بند ہو گیا۔ اور یہ مطلب نہیں کہ جبرئیل کا آنا بند ہو گیا۔ جبریل امین کی آمد و رفت برابر جاری رہی۔ عمدۃ القاری ج ۱ ص۶۳

ہجر سے بڑھ کر مصیبت کچھ نہیں اس سے بہتر ہے کہ مر جاؤں کہیں

مگر آپ جب ایسا ارادہ فرماتے تو فوراً جبریل امین ظاہر ہوتے اور یہ فرماتے :۔

یا محمد انک رسول اللہ حقاً اے محمدؐ! آپ یقیناً بلاشبہ اللہ کے رسول برحق ہیں۔

یہ سن کر آپ کے قلب کو سکون ہو جاتا ۔ (بخاری و مسلم)

ایک بار حضرت خدیجہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ اگر ممکن ہو تو جس وقت وہ ناموس آپ کے پاس آئے تو مجھ کو ضرور مطلع فرمائیں۔

چنانچہ جبرئیل امین جب آپ کے پاس آئے تو حسب وعدہ آپ نے حضرت خدیجہؓ کو اطلاع کی۔ حضرت خدیجہ نے عرض کیا کہ "آپ میرے آغوش میں آجائیں" جب آپ خدیجہ کے آغوش میں آگئے تو حضرت خدیجہ نے اپنا سر کھول دیا اور آپ سے دریافت کیا کہ "کیا آپ اس وقت بھی جبرئیل کو دیکھتے ہیں"؟ آپ نے فرمایا "نہیں"۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا "آپ کو بشارت ہو۔ خدا کی قسم یہ فرشتہ ہے، شیطان نہیں۔

اس روایت کو محمد بن اسحاق نے اسمٰعیل بن حکیم سے مرسلاً روایت کیا ہے (سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۸۲ ۔ فتح الباری ج ۸ ص ۵۵۳ کتاب التفسیر سورۃ اقرأ)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت خدیجہ نے فرمایا "آپ کو مبارک ہو، یہ فرشتہ ہے۔ اگر شیطان ہوتا تو نہ شرماتا۔ (رواہ ابونعیم فی الدلائل بسندٍ ضعیف عن عائشۃ رضی اللہ عنہا۔ اصابہ ج ۴ ص ۲۸۱ ترجمہ خدیجۃ الکبریٰؓ)

خلاصہ یہ کہ حضرت خدیجہؓ کا استدلال آپ کی نبوت و رسالت پر عقلی تھا کہ ایسے محاسن وشمائل اور کمالات وفضائل کا منبع اور سرچشمہ نبی ہی کی ذات بابرکات ہو سکتی ہے اور ورقہ کا استدلال نقلی تھا کہ یہ وہی نبی و رسول ہیں کہ جن کی حضرت مسیحؑ بن مریم نے بشارت دی ہے۔

سلیمان تیمی اور موسیٰ بن عقبہ نے اپنی کتاب المغازی میں ذکر کیا ہے کہ حضرت خدیجہ پہلے عداس[1]

[1] عداسؓ عتبہ بن ربیعہ کے غلام تھے۔ شہر نینوی کے باشندہ تھے جہاں یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام معبوث ہوئے مذہب ان کا نصرانی تھا۔ بعد میں مشرف باسلام ہوئے ۔ اصابہ ج ۲ ص ۴۶۶ ترجمۂ عداس

کے پاس گئیں اور جبرئیل کا آنا بیان کیا۔ عدّاس نے جبرئیل کا نام سنتے ہی یہ کہا قدوس، قدوس، یعنی سبحان اللہ سبحان اللہ، اس بت پرستوں کی سرزمین میں جبرئیل کا کیا ذکر، وہ تو اللہ کے امین ہیں۔ اس کے اور اس کے پیغمبروں کے مابین سفیر ہیں اور موسیٰ اور عیسیٰ کے دوست ہیں۔ بعد ازاں ورقہ کے پاس گئیں۔ (اصابہ ج ۲ صہ ۴۶۷ ترجمہ عدّاس۔ زرقانی ج ۱ صہ ۲۱۳۔ فتح الباری ج ۸ صہ ۵۵۳ کتاب التفسیر سورۂ اقرأ۔ وعمدۃ القاری ج ۱ صہ ۶۴۔ باب بدء الوحی)

بعض کتب سیر میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ بحیرا راہب کے پاس بھی گئیں اور واقعہ بیان کیا۔ بحیرا کے جواب کے الفاظ تقریباً وہی تھے کہ جو عداس کے جواب کے ہیں (روض الانف ج ۱ صہ ۱۶۳)

ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ایک بار آپ سے عرض کیا کہ ورقہ نے آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی لیکن اعلانِ دعوت سے پہلے ہی وفات پاگئے آپ نے فرمایا میں نے ورقہ کو خواب میں دیکھا کہ سفید لباس میں ہیں اگر وہ اہل نار سے ہوتے تو کسی اور لباس میں ہوتے۔ (فتح الباری ج ۸ صہ ۵۵۵ کتاب التفسیر سورۂ اقرأ)

مسند بزار اور مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ورقہ کو برا مت کہو، میں نے اس کے لیے جنت میں ایک باغ یا دو باغ دیکھے (فتح الباری ج ۸ صہ ۵۵۴) اور حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر ہے (عمدۃ القاری ج ۱ صہ ۵۷)

فائدۂ جلیلہ | حضرت خدیجہؓ کا حضور پرنور کو کبھی ورقہ کے پاس لے جانا اور کبھی عدّاس کے پاس لے جانا اور آپ کا حال بیان کرنا اس سے کسی شک اور تردد کا ازالہ اور کسی علم و یقین کا حاصل کرنا مقصود نہ تھا۔ بلکہ حضور کی تسلّی اور تشفّی مقصود تھی کہ نزولِ وحی کی وجہ سے جو حضور پر ایک خاص خشیت اور دہشت طاری ہے وہ مبدّل بہ سکون ہو جائے اور چونکہ حضرت خدیجہؓ نے حضور پرنور سے جو نکاح کیا تھا وہ غیبی کرامتیں اور خوارق دیکھ کر اس امید پر کیا تھا کہ جس نبی آخر الزماں کی بشارتیں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے بار بار سنی تھیں۔ اس کا مصداق حضور ہونگے چنانچہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی اور غارِ حرا سے واپس آکر خدیجۃ الکبریٰ سے بیان کیا تو حضرت خدیجہؓ

کو سنتے ہی آپ کی نبوت کا یقین آ گیا تھا۔ لیکن فرطِ مسرّت اور جوشِ محبت میں مزید اطمینان کے لیے کبھی آپ کو ورقہ کے پاس اور کبھی عدّاس کے پاس لے جاتیں کہ جس امید پر نکاح کیا تھا بحمداللہ وہ امید بر آئی۔ حضرت خدیجہؓ فقط آپ کی پریشانی سے پریشان تھیں ورنہ اپنے دل میں بے انتہا شاداں و فرحاں تھیں۔ اور حضورؐ کا مقصد بھی تسلّی اور تشفی ہی تھا۔ معاذ اللہ آپ کو اپنی نبوّت و رسالت میں ذرّہ برابر شک اور تردّد نہ تھا اور مشاہدۂ جبریل اور معائنۂ انوار و اسرار کے بعد تردّد اور شک کا ہونا بھی ناممکن اور محال ہے۔ وجہ یہ تھی کہ ورقہ اگرچہ عالم تھے مگر صاحبِ حال اور صاحبِ کیفیت نہ تھے۔ آپ کے قلبِ مبارک پر جو وحی کی کیفیت گذر رہی تھی اُس کی حقیقت اور اس کی لذّت کی کیفیت تو حضور ہی کو معلوم تھی ورقہ اس کیفیت کو ذوقی طور پر نہیں جانتے تھے، ذوقاً اس سے بالکل ناآشنا تھے، بلکہ محض علمی طور پر جانتے تھے کہ حضرات انبیاء پر نزولِ وحی کے وقت یہ کیفیات گذرتی ہیں۔ اس لیے وہ آپ کی تسلّی کرتے تھے اور ایسے وقت میں تسلّی اور تشفی وہی کر سکتا ہے کہ جس پر یہ حالت اور کیفیت طاری نہ ہو اور کچھ اجمالی طور پر اس قسم کی چیزوں سے باخبر ہو جیسے تیماردار بیمار کی تسلّی کرتا ہے ورنہ جس پر یہ کیفیت اور یہ حالت طاری ہو گی۔ وہ خود ہی خوف زدہ اور مدہوش ہو جائے گا۔ اُسے اپنی ہی خبر نہ رہے گی وہ دوسروں کی کیا تسلّی کرے گا اور عقلاً اور شرعاً یہ ضروری نہیں کہ تسلّی دینے والا صاحبِ حال سے افضل اور اکمل یا اعلم اور افہم ہو۔ فافهم ذالك واستقم۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ وعلمہ اتم واحکم۔